9

خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کو اختیار کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے

(فرمودہ 12 مارچ 1948ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مجھے رات سے درد نِقرس کا دورہ شروع ہے جس کی وجہ سے مَیں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہوسکتا۔ پھر اس لیے بھی مجھے احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ یہاں اتوار کے دن میرا لیکچر مقرر ہے۔ گو اُس کے متعلق تفصیلی اطلاع مجھے کارکنان کی طرف سے ابھی تک نہیں ملی لیکن بہر حال وہاں بھی کھڑے ہوکر بولنا پڑا تو پاؤں پر بوجھ پڑے گا۔ اِس لیے مَیں خطبہ نہایت اختصار کے ساتھ پڑھاؤں گا۔ نماز میں بھی اگر خطبہ کی تکلیف کی وجہ سے مجھے ڈر محسوس ہوا کہ مَیں کھڑا نہیں ہوسکتا تو ممکن ہے نماز کا کوئی حصہ مَیں بیٹھ کر پڑھا دوں۔ یہ مَیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ جب مَیں بیٹھ کر نماز پڑھانے لگتا ہوں تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بُھول چوک ہوگئی ہے اور وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے لگ جاتے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقِ عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ امام بیٹھ کر بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ ابتدا میں جب نماز فرض ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بیٹھ کر نماز پڑھانے

کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپ کا ارشاد تھا کہ مقتدی بھی ساتھ ہی بیٹھ جایا کریں لیکن آخر میں آپ نے اِس حکم کو منسوخ فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ امام اگر بیمار ہو اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھانا چاہے تو وہ تو بیٹھ جائے لیکن مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھا کریں۔1

اِس کے بعد میں ایک امر کی تشریح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ جماعت کے دوستوں نے ہماری رہائش کے لیے یہاں ایک جگہ تجویز کی تھی جس کا نام مندر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مندر نہیں تھا بلکہ مذہبی امور کے لیے وہ عمارت بنائی گئی تھی لیکن بہرحال مَیں نے اُس مکان میں رہنے سے انکار کر دیا ہے۔ جس طرح وہ لوگ جو یہاں کے کارکن ہیں اس سے ایک حد تک غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور اِسی غلط فہمی میں وہ مجھ سے مل کر معذرت کرتے رہے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیا جائے ہم سے غلطی ہوگئی ہے۔ اِسی طرح ممکن ہے بعض اَور لوگوں کو بھی اس کے متعلق غلط فہمی ہو اِس لیے مَیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا جس کے متعلق پہلے سے حقیقت واضح ہوتی اور جس کی بناء پر اُن کے اِس فعل کو کوئی غلطی یا خطا کہا جا سکے اِس لیے اِس فعل کے متعلق معافی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ قادیان کے چھوڑنے پر ہم نے انڈین یونین کے ساتھ یہ گفتگو شروع کی ہوئی ہے کہ قادیان ہمارا مقدس مذہبی مقام ہے اُس میں کسی اَور کو رہنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ انڈین یونین کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ قادیان کے مکانات کس نقطۂ نگاہ سے مقدس ہیں؟ کیا یہ مساجد ہیں؟ یا ان جگہوں پر مذہبی امور طے ہوتے رہے ہیں جن کی بناء پر ان کو مذہبی مقام کہا جاتا ہے۔ اِس کے جواب میں گورنمنٹ پاکستان کے نمائندوں کے ذریعہ ہم نے یہ بات پیش کی کہ مقدس مقام ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ عبادت گاہ ہی ہو بلکہ اگر کوئی مقام ایسا ہو جس سے دوسرے کے مذہبی احساسات وابستہ ہوں تو پھر بھی کسی دوسرے کا قبضہ کر لینا یقیناً تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ اِس لیے قادیان کا ہر مکان اور قادیان کی ہر دکان جو کسی احمدی نے بنائی وہ ہمارے لیے مقدس ہے اور صرف احمدیوں کے پاس ہی رہنی چاہیے۔ یہ کہنا کہ وہ دکان ہے کافی نہیں۔ کیونکہ گو وہ دکان ہے مگر وہ دکان ایک احمدی نے اِس لیے بنائی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر پیشگوئی فرمائی تھی کہ قادیان بڑھے گا اور احمدی ہجرت کر کے یہاں آ بسیں گے۔2

اسی طرح اگر کسی احمدی نے وہاں مکان بنایا تو اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی قادیان کے متعلق خبر دی تھی۔ پس جب کوئی شخص وہاں مکان بناتا ہے تو اُس کے مذہبی احساسات اُس کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور وہ ایک پیشگوئی کی صداقت کے لیے وہاں رہائش اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد خواہ وہ دکان ہے یا مکان یا کوئی اَور چیز جب اُس پر کوئی اَور شخص قبضہ کرتا ہے تو اُن جذبات کو ٹھیس لگتی ہے جن جذبات کی وجہ سے قادیان کی آبادی بڑھی تھی اور جن جذبات کی وجہ سے وہاں مکانات بنائے گئے تھے۔

جب مَیں لاہور میں آیا تو چونکہ ہمیں کالج اور دوسری ضروریات کے لیے جگہ کی تلاش تھی حکومتِ پنجاب کے بعض افسروں نے یہ تجویز کیا اور بعض لوگ متواتر اِس غرض کے لیے مجھے ملے کہ ہم ننکانہ لے لیں اور اُس پر قبضہ کر لیں۔ جب بھی ہم اپنی ضروریات اُن کے سامنے رکھتے وہ زور دیتے کہ ہم ننکانہ آپ کو دے دیتے ہیں۔ لیکن مَیں نے ہمیشہ اِس سے انکار کیا اور کہا کہ جو قانون ہم اپنے جذبات کے متعلق ضروری سمجھتے ہیں اُس قانون کے ماتحت ہم دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ چونکہ ننکانہ سکھوں کی ایک مذہبی جگہ ہے اِس لیے ہم اُس پر قبضہ کر کے دوسروں پر یہ اثر ڈالنا نہیں چاہتے کہ ہم بھی ضرورت کے موقع پر دوسروں کے مذہبی مقامات پر قبضہ کر لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہمیں کہا گیا کہ یہ مکانات خالی ہیں اور بہرحال کسی نے لینے ہیں آپ ہی لے لیں۔ ہم نے کہا کوئی لے لے۔ سوال تو ہمارے جذبات کا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے اگر وہ جذبات نہیں جو ہمارے ہیں یا ایسے مقامات پر قبضہ کر لینا کوئی شخص جائز سمجھتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ فلاں شخص کے جذبات کے لحاظ سے یہ کوئی بُری بات نہیں یا چونکہ ایسے مقامات پر قبضہ کر لینا اَور لوگ جائز سمجھتے ہیں اِس لیے آپ بھی قبضہ کر لیں۔ اُن کا معاملہ اُن کی ذات سے تعلق رکھتا ہے ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم بھی اِس معاملہ میں وہی کچھ کریں جو اَور لوگ کرتے ہیں۔

دوسرے ہم یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ عبادت گاہ ہی ہو تو اُس پر قبضہ کر لینے سے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے بلکہ عبادت گاہ کے بغیر بھی ایسی چیزیں ہیں جن کے چھینے جانے یا جن پر دوسرے مذاہب کے قبضہ کر لینے سے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ اِس نقطہ نگاہ کے ماتحت قطع نظر اِس سے کہ اُس کا نام صرف مندر تھا چونکہ وہ ایک ہندو کی عمارت ہے اور یہ عمارت مذہبی مجلسوں اور مذہبی انجمنوں کے انعقاد

کے لیے استعمال کی جاتی تھی اِس لیے اپنے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ہم اُس عمارت میں ٹھہریں تا کہ ہماری وہ دلیل جو ہم قادیان کے متعلق دے رہے ہیں کمزور نہ ہو جائے اور ہمارا وہ اصول نہ ٹُوٹے جو مذہبی مقامات کی تقدیس اور ان کے احترام کے متعلق ہم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ بعض دوستوں نے کہا ہے کہ وہ اِس عمارت کو خریدنے کا انتظام کر رہے ہیں بلکہ مجھے کہا گیا ہے کہ خود مالکِ مکان اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ ایک اہم امر ہے اِس لیے اِس معاملہ میں اگر کوئی قدم مقامی جماعت کی طرف سے اٹھایا جائے تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پوری طرح تمام حالات کو میرے سامنے رکھے۔ اگر میری تسلی ہوگئی اور مجھے اِس میں شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہ آئی تب بھی میرے نزدیک مناسب یہی ہو گا کہ ہم یہ عمارت نہ لیں کیونکہ اپنے اصول کی پابندی ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت اُس حادثہ کی وجہ سے جو پیش آیا ہے کراچی میں یکدم بڑھ گئی ہے یا تو جمعہ میں سَو سَوا سولوگ آیا کرتے تھے اور وہ بھی میرے آنے پر۔ اور یا اب کہتے ہیں کہ پانچ چھ سَو تک جماعت کے مردوں کی تعداد پہنچ چکی ہے اور عورتیں بھی چار پانچ سو کے قریب ہیں۔ اِن حالات میں ضروری ہے کہ جماعت کوئی ایسی جگہ لے جس میں وہ اپنی مسجد بنائے، لائبریری بنائے اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرے۔ مَیں جب گزشتہ سال یہاں آیا تھا تو مَیں نے مختلف جگہیں دیکھی تھیں اور ایک جگہ مَیں نے پسند بھی کی تھی جو قریباً چھ کنال یا اِس سے کچھ زیادہ تھی اور جس میں تمام ضرورتیں پوری کی جاسکتی تھیں مگر اُس وقت جماعت کا رجحان اِس طرف تھا کہ بندر روڈ کے قریب ملنی چاہیے۔ چنانچہ وہ جگہ رہ گئی اور لوکل انجمن احمدیہ نے بندر روڈ کے قریب 480 گز زمین اکتیس ہزار روپیہ میں خرید لی مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس میں بھی زیادہ سے زیادہ تین سَوا تین سَو آدمی آسکتے ہیں حالانکہ ہماری جماعت کے افراد یہاں پانچ چھ سَو ہیں۔ پھر پانچ سَو کے قریب عورتیں ہیں اور اُن کا بھی مسجد میں آنا ضروری ہے۔ اِن حالات میں مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کوئی نئی جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ موجودہ جگہ ایسی ہے جس میں ایک ہزار آدمی کے سمانے کی کوئی صورت نہیں بلکہ اگر یہاں دو منزلہ عمارت بنائی جائے تب بھی چھ سات سو آدمی آسکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ ہماری جماعت کے افراد اِس وقت کراچی میں ایک ہزار کے قریب ہیں اور پھر آدمی بڑھتے رہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ مہمان بھی وقتاً فوقتاً

آتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے سال بھر کے بعد ہمیں ڈیڑھ دو ہزار آدمیوں کے لیے جگہ کی ضرورت محسوس ہو۔ اور چونکہ موزوں مقام جلدی میسر نہیں آ سکتا اِس لیے ابھی سے جماعت کو اپنے لیے کوئی اَور جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ اگر وہ جگہ جہاں ہماری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا اُس کے متعلق میری تسلی ہو جائے اور مجھے یہ اطمینان ہو جائے کہ اُس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ پیدا نہیں ہو سکے گا اور یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ ہم نے ناجائز طور پر اُس سے فائدہ اٹھایا ہے تو ہو سکتا ہے مَیں اُس عمارت کو خریدنے کی اجازت دے دوں۔ گو اس وقت مجھے شرحِ صدر نہیں اور میری طبیعت کا رُجحان اِس طرف ہے کہ ہمیں کوئی اَور جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں ایک بڑی مسجد بنائی جا سکے۔ مہمان خانہ ہو، لائبریری کی جگہ ہو، اسی طرح دوسری ضروریات کا انتظام ہو۔ صدر مقام ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ کراچی بہت جلد ترقی کر جائے۔ جو حال کلکتہ اور دِلّی کا ہے وہی دس سال کے بعد کراچی کا ہوگا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ موجودہ حالات سے ہم فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ اب سَستی جگہیں مل سکتی ہیں۔ جماعت کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر اِس طرف توجہ کرے تا کہ آئندہ اس کے لیے پریشانی پیدا نہ ہو۔

دوسری چیز جس کی طرف مَیں توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مَیں نے آج سٹیشن پر دوستوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ میرے گلے میں ہار نہ ڈالیں۔ یوں بھی ہار پہننے میں مجھے حیا سی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اِس امر کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ حقیقی ضرورتوں کو سمجھنے والے افراد کو اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے زمانہ کے مطابق قدم اُٹھانا چاہیے۔ ہمارے لیے اِس وقت ایک ایسا زمانہ آیا ہوا ہے جس میں ہم اپنے مقدس مقام سے محروم ہیں اور دشمن اُس پر قبضہ کیے ہوئے ہے۔ ہار پہننے کے معنے خوشی کی حالت کے ہوتے ہیں۔ مَیں جہاں جماعت کو یہ نصیحت کیا کرتا ہوں کہ اُن کے دلوں میں پژمردگی پیدا نہیں ہونی چاہیے، اُن کے اندر کم ہمتی نہیں ہونی چاہیے، اُن کے اندر پَست ہمتی نہیں ہونی چاہیے وہاں مَیں اِس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ جماعت اِس صدمہ کو بھُول جائے اور ایسی غیر طبعی خوشیاں منانے میں محو ہو جائے جن کی وجہ سے وہ ذمہ داری اِس کی آنکھ سے اوجھل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد کی گئی ہے۔ نمائشی باتیں تو یوں بھی ناپسندیدہ ہوتی ہیں مگر کم سے کم اُس وقت تک کے لیے ہمارے نوجوانوں میں یہ احساس زندہ رہنا چاہیے جب تک ہمارا مرکز ہمیں واپس نہیں مل جاتا۔ آخر کوئی نہ کوئی چیز ہوگی جس کے ساتھ نوجوانوں کو یہ بات یاد دلائی جا سکے گی۔ اگر

ایسے مظاہروں سے نوجوانوں کو روکا جائے تو چونکہ پہلے ہم روکا نہیں کرتے تھے اِس لیے قدرتی طور پر ہر احمدی کے دل میں یہ بات تازہ رہے گی کہ مَیں نے اپنے مرکز کو واپس لینا ہے۔ مجھے غیر طبعی خوشیوں کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ ہم بھی غیر طبعی خوشیوں میں محو ہو گئے اور نوجوانوں کو ہم نے یہ محسوس نہ کرایا کہ کتنا بڑا صدمہ ہمیں پہنچا ہے تو ان کے اندر اپنے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش کی سچی تڑپ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اِس لیے مَیں سمجھتا ہوں میرے لیے یا کسی اَور کے لیے ایسے مظاہروں میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

آخر ہار پہنانا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں۔ مذہبی مسائل کی حیثیت بالکل اَور ہوتی ہے مثلاً عید کے دن اگر کوئی شخص نئے کپڑے نہیں پہنتا یا دُھلے ہوئے کپڑے نہیں پہنتا تو مَیں کہوں گا کہ وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عید کے دن غسل کرو، نئے کپڑے پہنو یا اگر نئے کپڑے نہیں تو دُھلے ہوئے کپڑے پہن لو۔<u>3</u> یا مثلاً جمعہ کے دن نیا دُھلا ہوا جوڑا پہننے کا حکم ہے۔ گو آج مَیں نے کپڑے نہیں بدلے کیونکہ مَیں ابھی سفر سے آیا ہوں مجھے کپڑے بدلنے کا موقع نہیں ملا مگر یہ مجبوری کی بات ہے۔ یوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرو، کپڑے بدلو، خوشبو لگاؤ اور اِس طرح جسم اور لباس کی صفائی کر کے مسجد میں جاؤ۔<u>4</u> پس جس چیز کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے وہ ہم ضرور کریں گے کیونکہ اس کے چھوڑنے سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے مگر جو خوشی خدا تعالیٰ نے مقرر نہیں کی بلکہ ہم اپنے لیے آپ پیدا کرتے ہیں اُس کے متعلق ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس وقت تک اسے نظر انداز کر دیں جب تک خدا تعالیٰ کے سامنے ہم اپنے فرض کو ادا کر کے سُرخرو نہ ہو جائیں۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے۔ ہمارا مقدس مقام دشمن کے قبضہ میں ہے اور باوجود انڈین یونین کے انکار کرنے کے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا ہم سمجھتے ہیں کہ انڈین یونین کی اجازت اور اُس کی پُشت پناہی سے اُس پر قبضہ کیا گیا ہے۔ انڈین یونین چاہے نئی گورنمنٹ ہو وہ تیس کروڑ آبادی کی گورنمنٹ ہے اور تیس کروڑ کی آبادی کوئی معمولی چیز نہیں۔ درحقیقت انڈین یونین آبادی کے لحاظ سے دنیا میں دوسرے نمبر کی حکومت ہے۔ پہلے درجہ کی حکومت کی آبادی کے نقطہ نظر سے چین کی حکومت ہے اور دوسرے درجہ کی حکومت انڈین یونین ہے۔ بلکہ جس طرح پاکستان کو نکال کر انڈین یونین کی آبادی تیس کروڑ کی بنتی ہے اسی طرح اگر چین کے کمیونسٹ حلقہ کو نکال دیا جائے

تو غالباً چین کی حکومت بھی آبادی کے لحاظ سے انڈین یونین سے نیچے رہ جاتی ہے۔ دراصل سارے ہندوستان کی آبادی پہلے چالیس کروڑ تھی۔ اس لیے ہم جب انڈین کی آبادی کا اندازہ لگاتے ہیں تو پاکستان کی آبادی کو نکال کر اندازہ لگاتے ہیں۔ اِسی طرح اگر چین کی وہ آبادی نکال دی جائے جو چین کے ماتحت نہیں اَور جو چین کی آبادی کا 1/3 حصہ ضرور ہے اور مجموعی طور پر اُس کی تعداد سولہ سترہ کروڑ تک پہنچ جاتی ہے تو چین کی آبادی بھی انڈین سے کم رہ جاتی ہے۔ بعض لوگ تو چین کے کمیونسٹ حلقہ کی آبادی بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ آج ہی مَیں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ بعض لوگوں کے خیال میں اس طرح نصف چین نکل جاتا ہے۔ اِس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ انڈین یونین کا مقابلہ کوئی آسان بات نہیں۔ مگر انڈین یونین چاہے صلح سے ہمارا مرکز ہمیں دے چاہے جنگ سے دے ہم نے وہ مقام لینا ہے اور ضرور لینا ہے۔ اگر وہ صلح کے ساتھ دے تب بھی جس جدوجہد کی ضرورت ہے وہ بڑی بھاری سنجیدگی اور بڑی بھاری قربانی چاہتی ہے اور اگر جنگ کے ساتھ ہمارے مرکز کی واپسی مقدر ہے تب بھی ضروری ہے کہ آج سے ہی ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ اگر ایک چھوٹی سی جماعت کے کچھ افراد یہ کہیں کہ ہم اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور باقی لوگ تیار نہ ہوں تو وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ہماری جماعت صلح کی بنیادوں پر قائم ہے اور جہاں تک ہو سکے گا ہم صلح سے ہی اپنے مرکز کو واپس لینے کی کوشش کریں گے۔

دوسرے ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں اور جنگ کا اعلان حکومت ہی کر سکتی ہے افراد نہیں کر سکتے۔ گویا اِس وقت اگر جنگ کا اعلان ہو تو دو ہی حکومتیں کر سکتی ہیں یا انڈین یونین کر سکتی ہے یا پاکستان کر سکتا ہے۔ ہم پاکستان گورنمنٹ نہیں کہ انڈین یونین سے اعلانِ جنگ کر سکیں۔ ہم آزاد علاقہ کے بھی نہیں کہ ہم ایسا اعلان کرنے کے مجاز ہوں۔ اِس لیے اگر جنگ کے ذریعہ ہی ہمارے مرکز کا ملنا ہمارے لیے مقدر ہے تب بھی جنگ کے.... سامان خدا ہی پیدا کر سکتا ہے۔ ہمارے اندر یہ طاقت نہیں کہ ہم ایسا کر سکیں اور نہ شریعت ہمیں جنگ کی اجازت دیتی ہے۔ شریعت جنگ کا اختیار صرف حکومت کو دیتی ہے اور حکومت ہمارے پاس نہیں۔ پس جنگ سے بھی اُسی صورت میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب خدا ایسے سامان پیدا فرمائے اور انڈین یونین سے کسی اَور حکومت کی لڑائی شروع ہو جائے۔ بہر حال خواہ صلح سے ہمارا مرکز

ہمیں واپس ملے یا جنگ سے دونوں معاملات میں ظاہری تدابیر کام نہیں دے سکتیں۔صرف خدا ہی ہے جو ہماری مدد کرسکتا اور ہمارے لیے غیب سے نصرت اور کامیابی کے سامان پیدا فرما سکتا ہے۔اگر دلائل کو لوتو دلائل کا اثر بھی خدا تعالیٰ ہی پیدا کرسکتا ہے ورنہ جو نشۂ حکومت میں سرشار ہواور جسے اپنی طاقت کا گھمنڈ ہواُس کے سامنے کتنے بھی دلائل پیش کیے جائیں وہ سب کو ٹھکرا دیتا ہے اور کہتا ہے ہم اِن باتوں کو نہیں مانتے۔اور اگر طاقت کو لوتو اول تو مادی طاقت ہمارے پاس ہے ہی نہیں اور اگر ہو بھی اور فرض کرو ہماری جماعت موجودہ تعداد سے پچاس یاسَو گُنے بھی بڑھ جاتی ہے اور پانچ دس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے تب بھی گورنمنٹ ہمارے قبضہ میں نہیں اور ہم شرعی نقطہ نگاہ سے جنگ نہیں کر سکتے۔گویا ہماری حالت صلح کی صورت میں بھی اور جنگ کی صورت میں بھی کُلّی طور پر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس کی رضا کو اختیار کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے۔اگر ہم اپنے اِس فرض کو ادا کرلیں تو یقیناً وہ کام جو ہم نہیں کر سکتے خدا اُسے خود پورا فرمائے گا۔اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ خدائی طاقت اور قوت کی کوئی حد بندی نہیں۔بندے کی بڑی سے بڑی جدوجہد اور کوشش بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔جب خدا کرنے پر آتا ہے تو باوجود اِس کے کہ دنیا ایک کام کو ناممکن سمجھ رہی ہوتی ہے وہ ممکن ہو جاتا ہے۔شام کو وہ اِس حالت میں سوتی ہے جب وہ اُسے ناممکن سمجھ رہی ہوتی ہے مگر جب صبح اُٹھتی ہے تو اُسے وہ ناممکن امر ممکن نظر آرہا ہوتا ہے۔اور بعض دفعہ صبح وہ ایک کام کو ممکن سمجھتی ہے مگر جب شام ہوتی ہے تو وہی ممکن امر اُسے ناممکن نظر آنے لگتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہمارے سب کام کرنے ہیں اور اُسی پر بھروسہ کرنا ہمارا اولین کام ہونا چاہیے۔ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کاموں اور اپنی خوشیوں اور اپنی ہر قسم کی مصروفیتوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ راضی کرنے کی کوشش کریں اور اُس سے رات اور دن یہ دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے فضل اور کرم سے ہماری وہ کوتاہیاں اَور غلطیاں جن کی وجہ سے عارضی طور پر ہمیں اپنے مقام سے ہٹنا پڑا ہے معاف کرکے پھر ہمیں وہ مقام دلا دے تا دنیا کی نظروں میں عارضی طور پر جو اعتراض ہم پر عائد ہوتا ہے وہ دُور ہو جائے اور قادیان جسے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کا مرکز مقرر کیا ہے وہ دنیا میں

پھر اللہ تعالیٰ کے انوار اور اُس کی برکات کی اشاعت کا مرکز بن جائے "۔ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔
(الفضل 30 اپریل 1948ء)

1: بخاری کِتَاب الْأَذَانِ بَاب إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ

2: تذکرہ صفحہ 419 طبع چہارم (مفہومًا)

3: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ اَبْوَاب اِقَامَةِ الصَّلَوَاتِ وَالسُّنَّةِ باب ماجاء فِی الْاِغْتِسَالِ فِی الْعِیْدَیْنِ

4: بخاری کتاب الجمعة باب فضل الغسل یوم الجمعة و باب الطِّیْبِ للجمعة